بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالمِ عربی

اہلِ مغرب کی آماجگاہ کیوں؟

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک، کراچی ۷۴۸۰۰

عالمِ عربی، اہلِ مغرب کی آماجگاہ کیوں؟

داعیٔ کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

> عالمِ عربی، دنیائے انسانیت کا دھڑکتا ہوا دل ہے جو بد قسمتی سے اہلِ مغرب کی نظروں کا مرکز، اُن کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت و لیڈرشپ کیلئے مقابلہ کا میدان بنا دیا گیا ہے موجودہ حالات میں اس کی حفاظت، امن و استحکام تمام عالم اسلام کا بنیادی فریضہ ہے داعیٔ کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ عالم عرب کے معروضی حالات کا جائزہ پیش فرماتے ہیں۔ اگر عرب سنبھل جائیں تو تمام عالم کی قیادت اور دنیائے انسانیت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہوگی ———— (عبدالقیوم حقانی)

عالمِ عرب کی اہمیت دنیا کے سیاسی نقشہ میں عالمِ عربی بہت اہمیت رکھتا ہے، وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے اہم پارٹ ادا کیا۔ اس کے سینہ میں دولت و طاقت کے عظیم الشان خزانے محفوظ ہیں، اس کے پاس پٹرول ہے جو آج جنگی اور صنعتی جسم کے لیے خون کا درجہ رکھتا ہے اور یورپ و امریکہ اور مشرقِ بعید کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

وہ عالمِ اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی اور دینی طور پر پورے عالمِ اسلامی کا رُخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت و وفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کا امکان ہے کہ خدانخواستہ اس کو تیسری (عالمی) جنگ کا میدان بننا پڑے۔ وہاں طاقتور بازو ہیں، سوچنے سمجھنے والی عقلیں ہیں اور جنگجو جسم ہیں، وہاں بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ہیں اور قابلِ کاشت زمینیں ہیں۔

مصر وہیں واقع ہے جو اپنی پیداوار، آمدنی، زرخیزی و شادابی، دولت و ترقی، تہذیب و تمدن میں خاص درجہ رکھتا ہے، جس کی گود میں دریائے نیل رواں دواں ہے۔ یہاں فلسطین ہے اور اس کے ہمسایہ ممالک ہیں جو اپنی آب و ہوا کی لطافت و حسن و خوبصورتی اور فوجی اہمیت میں ممتاز ہیں۔

اس کے پاس "عراق" کا ملک ہے جو اپنی بہادری، سخت جانی، شجاعت، عزم اور پٹرول کے ذخیرو کی وجہ سے مشہور ہے۔

یہاں جزیرۂ عرب ہے جو اپنے روحانی مرکز، دینی اثر میں سب سے منفرد ہے، جس کے حج کے سالانہ اجتماع کی نظیر دنیا میں نہیں۔ جہاں تیل کے چشمے سب سے زیادہ تیل پیدا کرتے ہیں۔

یہ سب چیزیں ہیں جنہوں نے عالم عربی کو اہل مغرب کی نظر کا مرکز، ان کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت لیڈرشپ کے لیے مقابلہ کا میدان بنا دیا اور جس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ ان ملکوں میں عربی قومیت اور وطن پرستی کا شدید احساس پیدا ہو گیا ہے۔

محمد رسول اللہ عالم عرب کی روح ہیں ایک مسلمان، عالم عربی کو جس نظر سے دیکھتا ہے اس میں اور ایک یورپین کی نظر میں زمین آسمان کا فرق ہے، بلکہ خود ایک وطن پرست عرب، عالم عربی کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے وہ ایک مسلمان کی نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔

مسلمان عالم عربی کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کا گہوارہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے، عالمی قیادت کا مرکز ہے، روشنی کا مینار ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی جان، اس کے عزت افتخار کا عنوان اور اس کا سنگِ بنیاد ہیں۔ اگر اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جدا کر دیا جائے تو اپنے تمام قوت کے ذخیروں اور دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے جان لاشہ اور ایک نقش بے رنگ سے زیادہ نہ ہوگی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے جس کی وجہ سے عالم عربی عالم وجود میں آیا۔ اس سے پہلے یہ دنیا منقسم اور منتشر اکائیوں، باہم دست و گریباں قبیلوں، غلام قوموں اور بے مصرف صلاحیتوں کا دوسرا نام تھی، اس پر جہل و گمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ عرب رومی شہنشاہی سے جنگ مول لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس کا تصور کرنا بھی ان کے لیے مشکل تھا۔ شام جو بعد میں عالم عربی کا بہت اہم حصہ قرار پایا ایک رومی نوآبادی تھی جو مطلق العنان حکومت اور سخت ترین ڈکٹیٹرشپ کے رحم و کرم پر تھی، اس نے ابھی تک آزادی و انصاف کا مفہوم ہی نہیں سمجھا تھا۔

عراق کیانی حکومت کی اغراض و خواہشات کا شکار تھا، نئے نئے محاصل اور بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے اس کی کمر جھک گئی تھی۔ رومی مصر کے ساتھ ایک گائے کا سا برتاؤ کرتے تھے جس کو دوہتے اور فائدہ اٹھانے میں وہ کمی نہ کرتے لیکن چارہ دیتے وقت حق تلفی اور بخل سے کام لیتے۔ پھر وہاں سیاسی استبداد کے ساتھ مذہبی استبداد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ دفعتاً اس متفرق منتشر مظلوم دنیا پر اسلام کی باد بہاری کا ایک جھونکا چلا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت یہ عربی دنیا ہلاکت کے قریب تک پہنچ چکی تھی، آپ نے اس کی دستگیری فرمائی، اس کو

نبضیں ڈوب رہی تھیں، آپ نے اس کو زندگی بخشی، نئی روشنی عطا کی، کتاب و حکمت کی تعلیم دی، تزکیہ کا سبق پڑھایا۔ آپ کی بعثت کے بعد اس دنیا کی نوعیت بدل گئی، اب وہ اسلام کی سفیر تھی، امن و سلامتی کی پیامبر تھی، تہذیب و تمدن کی علمبردار تھی، قوموں کے لیے رحمت کا پیغام تھی۔ اب ہم شام کا نام بھی لے سکتے ہیں، عراق کا ذکر بھی کر سکتے ہیں، ہم مصر پر بھی فخر کر سکتے ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت نہ ہوتی تو آج نہ شام کا کہیں پتہ ہوتا نہ عراق کا کہیں ذکر ملتا، نہ مصر کا وجود ہوتا اور عالم عربی، عالم عربی ہی نہ ہوتا اور یہیں تک نہیں، دنیا بھی تمدن و شائستگی، علم و فن، تہذیب و ترقی کی اس سطح پر نہ ہوتی ــــ اب اگر عرب قوموں اور حکومتوں میں کوئی دین اسلام سے مستغنی ہونا چاہتا ہے اور اپنا رخ مغرب کی طرف پھیرتا ہے یا عرب کے عہد قدیم کی طرف حریصانہ نظر ڈالتا ہے یا اپنے نظام زندگی اور سیاست و حکومت میں مغربی دستور اور مغربی قوانین کی پیروی کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا قائد، امام، رہبر اور اسوہ و معیار نہیں سمجھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی نعمت کو فوراً واپس کر دے اور اپنے پہلے دور جاہلیت کی طرف واپس چلا جائے، جہاں رومیوں اور ایرانیوں کا سکہ چلتا تھا، جہاں ظلم و استبداد کا بازار گرم تھا، جہاں سامراج کی فرمانروائی تھی، جہاں جہل و گمراہی تھی، جہاں غفلت اور بیکاری تھی، جہاں دنیا سے الگ تھلگ گمنامی کے گوشہ میں ایک مجہول زندگی گذاری جا رہی تھی، اس لیے کہ یہ شاندار اور روشن تاریخ، یہ تابناک تہذیب، یہ بازار ادب، یہ عرب سلطنتیں اور حکومتیں صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کا فیض اور آپ کی آمد کا نتیجہ ہیں۔

ایمان، عالم عربی کی طاقت ہے

اسلام عالم عربی کی قومیت ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے امام اور قائد ہیں۔ ایمان اس کی قوت کا خزانہ ہے جس کے بھروسہ پر اس نے دوسری قوموں کا مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوا، اس کی طاقت کا راز اور اس کا کارگر ہتھیار جو کل تھا وہی آج ہے جس کے ساتھ وہ دشمنوں سے جنگ کر سکتا ہے، اپنی ہستی کی حفاظت کر سکتا ہے اور دوسروں تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔

عالم عربی کو اگر کمیونزم یا یہودیت سے جنگ کرنا ہے یا کسی دوسرے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو اس دولت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کر سکتا جو برطانیہ اس کو عطا کرتا ہے یا امریکہ اس کو خیرات دیتا ہے یا پٹرول کی قیمت کے طور اس کو حاصل ہوتی ہے، وہ اپنے دشمن کا مقابلہ صرف اس ایمان، معنوی قوت، اس روح اور اسپرٹ کے ساتھ کر سکتا ہے جس اسپرٹ کے ساتھ کبھی اس نے بیک وقت رومی و ایرانی حکومتوں کو جنگ کی دعوت دی تھی اور فتح حاصل کی تھی۔ وہ اس دل کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا جس کو زندگی سے عشق اور موت سے نفرت ہو، اس جسم سے مقابلہ نہیں کر سکتا جو عیش و عشرت کا دلدادہ ہو، اس عقل کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا جس کو شک و شبہ کا گھن لگ چکا ہو اور افکار و خواہشات باہم دست و گریباں ہوں، اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ضعیف الایمان اور متشکک قلب اور میدان میں ساتھ چھوڑ دینے والی قوت کے ساتھ میدان جنگ کبھی نہیں جیتا جا سکتا۔

عرب کے قائدین اور عرب لیگ کے ذمہ داروں کے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ عربی فوج، کسانوں، تاجروں اور جمہور کے ہر طبقہ میں ایمان کی تخم ریزی کریں۔ ان میں جہاد کا جذبہ، جنت کا شوق اور ظاہری آرائشوں کی تحقیر و اہانت کا احساس پیدا کریں، ان کو خواہشاتِ نفس اور زندگی کی مرغوبات پر قابو حاصل کرنے، خدا کے راستہ میں مصائب اور تکلیفیں برداشت کرنے، مسکراتے چہروں کے ساتھ موت کے استقبال اور اس پر پروانوں کی طرح گرنے کا سبق دیں۔

شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ عربی اقوام نے اپنی بہت سی فوجی خصوصیات کو ضائع کر دیا، خاص طور پر شہسواری ان کی زندگی سے بالکل خارج ہو گئی، جو ایک بہت بڑا نقصان اور میدانِ جنگ میں ہزیمت اور کمزوری کا بہت اہم سبب ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کی فوجی اسپرٹ جو ان کا طغرائے امتیاز تھی ختم ہو گئی، جسم کمزور ہو گئے، لوگ ناز و نعم میں زندگی گذارنے لگے، موٹروں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی اور قریب ہے کہ عربی گھوڑے جن کی دنیا میں دھوم ہے جزیرۃ عرب سے نیست و نابود ہو جائیں گے۔ لوگوں نے کشتی، شہسواری، جنگی مشقوں اور دوسری جسمانی ورزشوں کو فراموش کر دیا اور ان کھیلوں کو اختیار کیا جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے تعلیم و تربیت کے راہنماؤں کے لیے ضروری ہے کہ عرب نوجوانوں میں شہسواری، فوجی زندگی، سادگی، استقلال، عزیمت اور مصائب پر صبر و استقامت کی اہلیت پیدا کریں۔

امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عجمی ممالک میں اپنے عرب عمال کو لکھتے ہیں:

إياكم والتنعم وزي العجم وعليكم بالشمس فإنها حمام العرب وتمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا واعطوا الركب أسنتها وانزوا نزواً وارموا الأغراض (بغوی)	تن آسانی و راحت طلبی کی زندگی اور عجمی لباسوں سے ہمیشہ دور دور رہنا، دھوپ میں بیٹھنے اور چلنے کی عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں کا حمام ہے، جفا کشی، سادہ زندگی، صبر و تحمل، موٹے جھوٹے پہننے کے عادی رہو، گھوڑے پر جست لگا کر بے تکلف بیٹھنے کی مشق رہنی چاہیئے، نشانے درست ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ارموا بنی اسمٰعیل فإن أباكم كان رامياً (بخاری)	اے اہل عرب تیر اندازی کی مشق رکھو اس لیے کہ تمہارے جد امجد حضرت اسمٰعیل تیر انداز تھے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

ألا إن القوة الرمي، ألا إن القوة	یاد رکھو جس قوت کے تیار رکھنے کی قرآن مجید میں تاکید

الرمی۔ (مسلم) ہے وہ تیراندازی ہے، وہ تیراندازی ہے۔

تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں کا بھی فرض ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی و شجاعت کی روح کو کمزور کر رہی ہو اور عجز و تخنث پیدا کرتی ہو، عریاں صحافت نگاری، جنس اور مخرب ادب کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاق، بے حیائی، فسق و فجور اور شہوت پرستی کی تبلیغ کر رہا ہو۔ ان پیشہ وروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی کیمپ میں نہ داخل ہونے دیں جو نسل اسلامی کے قلب و اخلاق میں فساد برپا کرنا چاہتے اور فسق و معصیت اور فحش پسندی کو چند حقیر پیسوں کے لیے خوبصورت اور مزین بنا کر پیش کرتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی قوم میں مردانگی اور غیرتِ انسانی کو زوال ہوا، عورتوں نے اپنی نسائیت اور فطرتِ مادری کے خلاف بغاوت کی اور آزادی و بے حجابی کی راہ اختیار کی، ہر چیز میں مردوں کی مسابقت کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت و غفلت بڑھی اور ضبطِ تولید کی رغبت پیدا ہوئی، اس کا ستارۂ اقبال ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی مٹ گئے۔ یونانی، رومی اور ایرانی اقوام کا انجام یہی ہوا اور یورپ بھی آج اسی راہ پر گامزن ہے جو اس انجام تک لے جاتی ہے۔ عالمِ عربی کو ڈرنا چاہیئے کہ کہیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو؟

طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ

عربوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے اور بہت سے دوسرے اسباب کی بنا پر عیش و عشرت، غیر ضروری لوازم زندگی کے شدید اہتمام، اسراف، لذت و خواہش اور فخر و آرائش کے لیے فضول خرچی کی عادت پڑ چکی ہے۔ اس عیش و تنعم اور بیدردی کے ساتھ خرچ کے پہلو بہ پہلو فقر و فاقہ اور عریانی بھی موجود ہے —— جب ایک شخص بڑے بڑے عرب شہروں پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ایک طرف وہ آدمی ہے جس کو اپنی ضرورت سے زائد غذا، لباس کا مصرف نظر نہیں آتا، دوسری طرف اس کی نگاہ ایسے بدوؤں پر پڑتی ہے جس کو ایک روز کا کھانا اور ستر پوشی کے لیے کپڑا بھی نصیب نہیں جبکہ عرب کے امراء و اصحاب ثروت ہوا سے باتیں کرنے والی موٹروں پر سرگرم سفر ہوتے ہیں، اسی وقت چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے بچوں اور بچیوں کی ایک فوج سامنے آتی ہے جن کا لباس تار تار ہوتا ہے جو ایک پیسہ کے لیے ان کی موٹروں کے ساتھ دوڑنے لگتی ہے۔

جب تک عرب ملکوں میں فلک بوس محلوں بہترین کاروں کے ساتھ ساتھ حقیر جھونپڑیاں اور تنگ و تاریک مکانات نظر آئیں گے، جب تک تخمہ و فاقہ ایک شہر میں شباب پر ہوگا اس وقت تک کمیونزم کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں، ہنگامے، جھگڑے ہونا لازمی ہیں، کوئی پروپیگنڈا اور طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ وہاں اگر اسلامی نظام اپنے جمال و اعتدال کے ساتھ قائم نہیں ہوگا تو تعزیر، خداوندی کے طور پر اور ردِ عمل کے طریقہ پر اس کی جگہ ایک ظالم و جابر نظام کا قائم ہونا ضروری ہے۔

تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری

عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت وحرفت اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خود کفیل ہو، وہاں کے رہنے والے انہیں چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت و محنت کا نتیجہ ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب سے مستغنی ہوں۔ اپنی تمام ضروریات، مصنوعات، غذا، لباس، ہتھیار، مشینیں، آلاتِ حرب کسی چیز میں وہ غیر کے دستِ نگر اور مغرب کے پروردۂ رحمت اور نمک خوار نہ ہوں۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب سے جنگ کرنا چاہے تو وہ اس لیے جنگ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی امداد کا محتاج ہے۔ جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے وہ قلم بھی مغرب ہی کا بنا ہوا ہے، اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدانِ جنگ میں اسی گولی کو استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے۔ عالم عربی کے لیے یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے دولت کے ذخیروں اور قوت کے سرچشموں سے خود فائدہ نہ اٹھا سکے، زندگی کا خون اس کو فائدہ پہنچانے کے بجائے اسی کی رگوں سے دوسروں کے جسم میں پہنچتا ہو، اس کی فوجوں کی ٹریننگ مغرب کے ایجنٹ اور فوجی افسران کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کے دوسرے شعبے بھی انہیں کے سپرد ہوں۔ عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت و مالیات کی تنظیم اور آمد برآمد، قومی صنعت، فوج کی ٹریننگ اور مشینوں اور آلاتِ حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو۔ ایسے اشخاص کی تربیت کی جائے جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری واقفیت، فنی مہارت دیانت اور خیر خواہی کے ساتھ انجام دیں۔

انسانیت کی سعادت کیلئے عربوں کی ذاتی قربانی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس وقت ہوئی جب کہ انسانیت کی شقاوت و بدبختی انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی۔ اس وقت انسانیت کی اصلاح کا مسئلہ ان افراد کی دسترس سے باہر تھا جن کی زندگی ناز و نعمت میں بسر ہو رہی تھی اور جو محنت و مشقت کے برداشت کرنے اور مالی و جانی نقصانات کو جھیلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور جن کے لیے ہمہ وقت عیش و نشاط کا سامان موجود تھا۔ اس وقت انسانیت کو ایسے افراد درکار تھے جو انسانیت کی خدمت میں اپنے مستقبل کو قربان کر سکتے تھے اور منافع سے دستبردار ہو کر اپنے جان و مال، عیش و آرام اور اپنے تمام دنیاوی مفاد کو خطرات و مشکلات کے مقابلہ میں پیش کر سکتے تھے، ان کو اپنے پیشہ و تجارت کی کساد بازاری اور کسی طرح کے مالی نقصان و خطرات کی پرواہ نہ تھی، جن کو اپنے آباؤ اجداد، اپنے اپنے دوستوں اور قرابتمندوں کی قائم کی ہوئی امیدوں پر پانی پھیر دینے میں تامل نہ تھا، صالح علیہ السلام کی قوم نے جو کچھ ان سے کہا تھا وہی ان تعلق والوں کی زبان پر بھی جاری ہوتا۔

قَالُوا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا   اے صالح اس سے قبل تو ہماری بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔

جب تک دُنیا میں ایسے مجاہد تیار نہ ہوں اُس وقت تک انسانیت کا بقاء، استحکام اور کسی اہم دعوت کا کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ یہ کردار رکھنے والے گنتی کے چند افراد جو دنیا کی اصلاح میں محروم اور کوتاہ قسمت سمجھے جاتے ہیں انہیں کی بلند ہمتی اور جذبۂ قربانی پر انسانیت کی فلاح و کامرانی اور عیش و شادمانی کا دارومدار ہے۔ وہ چند افراد جو اپنی جان کو مصائب میں ڈال کر ہزاروں بندگانِ خدا کے ابدی مصائب سے بچنے کا سبب بنتے ہیں اور دنیا کے ایک بڑے گروہ کو شر سے خیر کی طرف لاتے ہیں۔ اگر چند افراد کی محرومی و ہلاکت ایک پوری ملت کے لیے خوشحالی اور سرفرازی کا باعث ہو، اور اگر کچھ مال و زر اور تجارت و حرفت کے نقصان اور گھاٹے سے بے شمار اور ان گنت انسانوں کے لیے دینی و دُنیوی فلاح کا دروازہ کُھلتا ہو تو یہ سودا ہر طرح سستا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو وہ جانتا تھا کہ رُوم و فارس اور دُنیا کی متمدن قومیں جن کے ہاتھ میں اس وقت عالم کی باگ ڈور ہے ہرگز اپنے عیش و نشاط کو نہیں چھوڑ سکتیں، وہ اپنی ناز پروردہ زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتیں، وہ بے یار و مددگار انسانیت کی خدمت، دعوت و جہاد کے لیے مصائب و آلام کے برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتیں، اُن کے اندر اتنی استطاعت ہرگز نہیں کہ اپنی پُر تکلف زندگی اور زیب و زینت کا ایک معمولی سا جزو بھی قربان کریں۔ ان میں ایسے لوگ بالکل مفقود تھے جو اپنی خواہشات پر قابو رکھتے ہوں، اپنی حرص و طمع کو روک سکیں، اور جو تمدن کے لوازم اور فیشن کی پابندی سے بے نیاز ہو کر واجبی گزران پر اکتفاء کر سکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے پیغام اور نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے ایسی قوم کا انتخاب فرمایا جو دعوت و جہاد کے بوجھ کو اٹھا سکتی تھی اور ایثار و قربانی کے جذبے سے بھرپور تھی۔ یہ وہی عربی قوم تھی جو طاقتور، سادہ منش اور جفاکش تھی، جس پر مصنوعی تمدن کا کوئی وار کارگر نہ ہُوا اور دنیا کی رنگینیوں کا کوئی جادو نہ چل سکا، یہی لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ ہیں جو دل کے غنی، علم سے بھرپور اور تکلفات سے کوسوں دُور تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان دعوت کو لے کر اٹھے اور آپؐ نے جد و جہد و جانفشانی کا حق پوری طرح ادا کر دیا، اس دعوت کو ہر اس چیز پر ترجیح دی جو آپ کے لیے رکاوٹ کا سبب بن سکتی تھی، آپؐ خواہشات سے بالکل کنارہ کش تھے، دنیا کی دلفریبیوں کا آپؐ پر کوئی جادو نہ چل سکا، یہی وہ چیز تھی جو دنیا کے لیے اُسوۂ حسنہ اور راہنمائی بنی۔

جب قریش کے وفد نے آپؐ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور آپؐ کے لیے وہ تمام چیزیں پیش کیں جو ایک نوجوان کے دل کو فریفتہ اور نفسیات رکھنے والے انسان کو خوش کر سکتی تھیں۔ مثلاً حکومت و ریاست، عیش و عشرت، دولت و ثروت، تو آپؐ نے ان تمام چیزوں کو بے تامل ٹھکرا دیا۔ اسی طرح جب آپ کے چچا نے گفتگو کی اور چاہا کہ

آپؐ کو اس دعوت کے پھیلانے اور اس میں حصہ لینے سے روک دیں، تو آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ "اے چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور میرے بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں جب بھی میں اس کام سے باز نہیں آسکتا اور اُس وقت تک کوشش کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس دعوت کو غالب نہ کر دے یا میں خود اس سلسلہ میں کام نہ آجاؤں"—— یہی جدوجہد اور قربانی، دنیا کی نفع اندوز ذہنیت سے بے تعلقی اور پُرسرور زندگی کے مقابلہ میں تکلیف و مشقت کی زندگی کی ترجیح اہلِ دعوت کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک نمونہ اور اُسوہ بن گیا۔ آپ نے اس سلسلہ میں اپنے اوپر تمام عیش و آرام اور راحت و آسائش کے دروازے بند کر لیے۔ خود اپنے ہی اوپر نہیں بلکہ اپنے پورے خاندان، اہلِ بیت اور تمام عزیزوں کو بھی عیش و عشرت کے مواقع سے مستفید ہونے کا موقع نہیں دیا۔ وہی لوگ جو آپ سے زیادہ قریب و عزیز تھے زندگی کے عیش و راحت میں انہیں کا حصہ سب سے کم تھا اور جہاد و قربانی میں وہ سب سے آگے رکھے گئے تھے۔ جب آپ کسی چیز کی حرمت کا ارادہ کرتے تو اس کی ابتدا اپنے قبیلہ اور اپنے ہی لوگوں سے کرتے، اور جب کسی حق کی باری آتی یا کوئی نفع پہنچانا ہوتا تو دوسرے لوگوں سے شروع کرتے اور بسا اوقات آپ کے قرابت دار اور قبیلہ والے اس سے محروم ہی رہ جاتے۔

آپ نے جب سُودی کاروبار ختم کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے کاروبار کو مٹایا اور ان کے تمام سُودی منافع کو ختم کر دیا۔ اسی طرح جب جاہلیت کے انتقامات و مطالبات کو باطل کرنے اٹھے تو ربیعہ بن حارث ابن عبدالمطلب کے خون کو پہلے باطل کیا۔ اور جب آپ نے زکوٰۃ کا قانون جاری فرمایا، (جو درحقیقت ایک بہت بڑی مالی منفعت ہے اور تا قیامت باقی رہنے والی چیز ہے) تو آپ نے اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے لیے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا۔ فتح مکہ کے دن جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے بنی ہاشم کے لیے سقایتِ زمزم کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا مطالبہ کیا تو آپ نے شدت سے انکار فرما دیا، اور عثمان بن طلحہؓ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی اُن کے سامنے رکھ دی اور فرمایا کہ اے عثمان! دیکھو یہ تمہاری کنجی ہے تم اس کو لو، آج احسان اور وفا کا دن ہے اور اب یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ رہے گی۔ کوئی اس کو تم سے نہیں لے سکتا، اِلّا یہ کہ کوئی ظالم اس کی جرأت کرے —— آپ نے ازواجِ مطہرات کو زہد و قناعت اور روکھی پھیکی زندگی گزارنے کی ترغیب دی اور صاف صاف فرمایا کہ اگر تم فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے کے لیے آمادہ ہو تو میری رفاقت اختیار کر سکتی ہو ورنہ ناز و نعمت و راحت کے ساتھ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں، اور اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ کر سنایا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ	اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع

أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝	دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور
وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ	اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت
الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ	کو، تو تم میں سے نیک کرداروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے
أَجْرًا عَظِيْمًا ۝	اجرِ عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

لیکن اس انتخاب میں آپ کے گھر والوں نے اللہ اور رسول ہی کو اختیار کیا ــــ اسی طرح حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے جب سُنا کہ آپ کے پاس کچھ غلام و خادم آئے ہیں اور جب کہ ان کے ہاتھوں میں چکی چلانے سے گٹے پڑ گئے تھے، آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ایک خادم عنایت فرما دیجئے تاکہ میں کچھ آرام حاصل کر سکوں تو آپ نے ان کو تسبیح و تحمید کی وصیت فرمائی اور کہا کہ تمہارے لیے یہ چیز خادم سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہی معاملہ آپ کا اپنے تمام قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ تھا اور جو جتنا ہی قریب ہوتا جاتا اُسی قدر اس کی ذمہ داری بڑھتی جاتی۔

مکّے کے لوگ جب ایمان لائے تو اُن کی اقتصادی زندگی کا نظام درہم برہم ہو گیا، ان کی تجارت کساد بازاری کا شکار ہو گئی اور بعض اپنے راس المال سے بھی محروم ہو گئے تھے جس کو انہوں نے اپنی زندگی میں جمع کیا تھا، ان میں ایسے بھی ایمان لانے والے تھے جو راحت و آرام کے سامان اور آرائش و زینت کے اسباب بھی ختم کر چکے تھے حالانکہ پہلے ان کی امتیازی شان یہی تھی کہ وہ زینت و آرائش کے دلدادہ تھے۔ اسی طرح اس دعوت کے پھیلانے اور اس کی راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے سلسلہ میں بہتوں کی تجارت برباد ہو گئی اور کتنے اپنے آبائی دولت کے حصوں سے محروم ہو گئے۔

اسی طرح جب آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور انصار نے آپ کا ساتھ دیا تو اس کا اثر ان کے کھیتوں، ان کے باغات پر پڑا مگر با ایں ہمہ جب انہوں نے اپنا کچھ تھوڑا سا وقت ان کی نگہداشت کے لیے چاہا تو اس کی اجازت نہیں ملی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو متنبہ کیا گیا۔ ارشاد ہوا:۔

وَأَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ	اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت
إِلَى التَّهْلُكَةِ ۔	میں نہ ڈالو۔

یہی حال عرب اور ان تمام لوگوں کا ہوا جو اس دعوت سے متاثر اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔ چنانچہ جہاد کی مشقت اور جان و مال کے خسارہ میں ان کا اتنا بڑا حصہ تھا جو دنیا کی کسی قوم کے حصہ میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:۔

قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَ	آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور

اخوانكم وازواجكم وعشيرتكم وامو‌ال ‌اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها احب اليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى يأتي الله بامره والله لا يهدي القوم الفسقين۔

تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

(سورة آیت ـ)

دوسری جگہ فرمایا۔

ماكان لاهل المدينة ومن حولهم من الاعراب ان يتخلفوا عن رسول الله ولا يرغبوا بانفسهم عن نفسه۔
(التوبة ركوع ١٥)

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی جان کی پرواہ نہ کر کے محض اپنی جانوں کی فکر میں پڑ جائیں۔

اس لیے کہ انسانی سعادت کی عمارت انہیں لوگوں کی قربانیوں کے ستونوں پر قائم ہونے والی تھی اور حالات کی تبدیلی میں صرف اسی بات کا انتظار تھا کہ یہ مہاجرین و انصار اپنے کو شکر انسانیت کی سربزی اور قوموں کی ہدایت و فلاح کا فیصلہ حاصل کر لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ (البقرہ ١٥٥)

ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ نہ کچھ خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی اور نقصان کے ساتھ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔

کیا لوگ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔

اگر عرب اس سرفرازی کو قبول کرنے سے ہچکچاتے اور انسانیت کی اس عظیم خدمت میں تردد سے کام لیتے تو بدبختی اور عالم کے فساد کی مدت اور بڑھ جاتی اور جاہلیت کی تاریکی بدستور دنیا پر چھائی رہتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ

اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ پیدا ہوگا۔

وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ٥ (الانفال - ع ۱۰) بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا ایک دوراہے پر کھڑی تھی۔ اس وقت دو ہی راستے تھے، یا تو عرب کے لوگ اپنے جان و مال، آل اولاد اور تمام محبوب چیزوں کو خطرہ میں ڈال کر آگے بڑھ جاتے اور دنیا کی ترغیبات سے کنارہ کش ہو کر اجتماعی مصلحت کی راہ میں اپنا سارا سرمایہ قربان کر دیتے جب دنیا کو سعادت نصیب ہوتی اور انسانیت کی قسمت بدلتی، جنت کا شوق ابھرتا اور ایمان کی ہوائیں چلتیں، یا پھر وہ اپنی خواہشات و مرغوبات اور اپنی انفرادی لذت و عیش کو انسانیت کی سعادت و فلاح پر ترجیح دیتے تو ایسی صورت میں دنیا گمراہی و بدبختی کے دلدل میں پھنسی رہ جاتی اور غفلت و مدہوشی کے عالم میں پڑی رہتی، لیکن اللہ تعالٰی کو انسانیت کی بھلائی منظور تھی اس لیے عربوں میں اُس نے ولولہ پیدا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اندر ایمان و ایثار کی روح پھونک دی اور ان کو آخرت اور اس کے بے پایاں ثواب کی ترغیب دی تو انہوں نے اپنے آپ کو انسانیت پر قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا اور اللہ کے ثواب اور نوع انسانی کی سعادت کی امید میں انہوں نے دنیا کے تمام عیش و آرام سے آنکھیں بند کر کے اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں جھونک دیا اور ان تمام چیزوں کو تج دیا جن پر لوگ حریصانہ نظریں اٹھاتے ہیں، انہوں نے پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ راہِ خدا میں جانیں دیں اور مشقتیں کیں تو اللہ نے اُن کو دنیا اور آخرت کے بہتر اجر سے نوازا۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اور اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے)

آج دنیا ہٹ ہٹا کر پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ چھٹی صدی عیسوی میں تھی، یہ عالم پھر اسی دوراہے پر نظر آ رہا ہے جس دوراہے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تھا، آج اس کی ضرورت ہے کہ عرب قوم (جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاص ہے) میدان میں نکل آئے اور پھر دنیا کی قسمت بدلنے کے لیے جان کی بازی لگائے اور اپنی تمام آسائش و ثروت، دنیا کی نعمتوں، ترقی و خوشحالی کے امکانات اور اپنے سامانِ راحت کو خطرہ میں ڈال دے تاکہ دنیا اس مصیبت سے نجات پائے جس میں وہ مبتلا ہے اور زمین کا نقشہ بدل جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عرب بدستور اپنے حقیر اغراض اور ذاتی سربلندی و ترقی، عہدہ و منصب، تنخواہوں کی بیشی، آمدنی کے اضافہ اور کاروبار کی ترقی کی فکر میں رہیں اور سامانِ عیش اور اسبابِ راحت کی فراہمی میں مشغول رہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا اسی زہریلے تالاب میں غوطہ زن رہے گی جس میں وہ صدیوں سے ہلاک ہو رہی ہے۔ اگر اچھے اچھے ذہین عرب نوجوان بڑے بڑے شہروں میں خواہشات کے غلام بن کر بیٹھے رہیں، اور اگر ان کی زندگی کا محور صرف مادہ اور معدہ ہو اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فکر نہ ہو، اور ان کی تمام جد و جہد صرف اپنی ذاتی زندگی اور اپنی مرفہ الحالی کے گرد چکر لگا رہی ہو تو ایسی صورت میں انسانی سعادت کا تصور بھی مشکل ہے ۔۔۔ بعض جاہلی قوموں کے نوجوان ان سے زیادہ حوصلہ مند تھے اور ان کا ذہن ان سے کہیں زیادہ بلند تھا، جبکہ انہوں نے

اپنے پسندیدہ مقاصد کی راہ میں اپنی تمام راحت و آرام اور اپنے مستقبل تک کو قربان کر دیا۔ جاہلی شاعر امراء القیس ان سے کہیں زیادہ باہمت تھا کہتا ہے ؎

ولو اننی اسعی لادنی معیشۃ　　کفانی ولم اطلب قلیلاً من المال

ولکنما اسعی لمجد مؤثل　　وقد یدرک المجد المؤثل امثالی

(ترجمہ) اگر میں کسی ادنیٰ زندگی کے لیے کوشش کرتا ہوتا تو مجھے تھوڑا سامال بھی کافی ہوتا اور اس کے لیے ایسی جد و جہد کی ضرورت نہ ہوتی۔

لیکن میں تو ایسی عظمت کا طالب ہوں جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور مجھ جیسے آدمی ہی ایسی عظمت کو حاصل کر لیتے ہیں۔"

دنیا کی سعادت و کامرانی کی منزل تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان نوجوان اپنی قربانیوں سے ایک پُل تعمیر کریں، اس پل پر سے گذر کر دنیا بہتر زندگی کی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔ زمین کھاد کی محتاج ہوتی ہے لیکن انسانیت کی زمین کی کھاد جس سے اسلام کی کھیتی برگ و بار لاتی ہے، وہ وہی انفرادی خواہش و ہوس ہے جس کو مسلم نوجوان اسلام کا بول بالا کرنے اور اللہ کی زمین میں امن و سلامتی پھیلانے کے لیے قربان کریں۔ آج انسانیت کی اُفتادہ زمین کھاد مانگتی ہے۔ یہ کھاد راحت و آرام کے مواقع، انفرادی ترقی کے امکانات اور عیش کے اسباب ہیں جن کو مسلمان بالخصوص عرب اقوام قربان کر دینے کا ارادہ کر لیں۔ چند انسانی جانوں کی جد و جہد اور ان کی قربانیوں سے اگر انسانی گلہ آگ کی راہ سے نکل کر جنت کی راہ پر لگ جاتا ہے تو یہ بڑا سستا سودا ہے۔ اس لیے کہ جو نعمت حاصل ہوگی وہ بہت ہی جنس گراں مایہ ہے اور اس کے لیے جو کچھ قربان کرنا پڑے وہ اس کے مقابلہ میں بہت ہی معمولی اور ارزاں ہے ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے | عالم عربی اپنی خصوصیات، محل وقوع اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے کا حقدار ہے، وہ یہ کر سکتا ہے کہ عالم اسلامی کی قیادت کا بیڑا اٹھائے اور مکمل تیاری کے بعد یورپ سے آنکھیں ملا سکے اور اپنے ایمان، دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غالب آجائے اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف، تباہی و بربادی سے امن و سلامتی کی طرف لے آئے یا جس طرح مسلمانوں کے قاصد نے یزدگرد کی مجلس میں کہا تھا۔

"انسانوں کی پرستش سے نکال کر خدائے واحد کی پرستش میں، دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی میں

اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کی عدل گستری میں داخل کرے۔

عالمِ انسانی عالمِ اسلامی کی طرف اپنے نجات دہندہ کی حیثیت سے دیکھ رہا ہے اور عالمِ اسلامی عالمِ عربی کی طرف اپنے لیڈر اور رہبر کی حیثیت سے نظریں اٹھائے ہوئے ہے۔ کیا عالمِ اسلامی عالمِ انسانی کی توقع کو پورا کر سکتا ہے؟ اور کیا عالمِ عربی عالمِ اسلامی کے سوالوں کا جواب دے سکتا ہے؟ عرصہ سے مظلوم انسانیت اور برباد شدہ دنیا اقبالؒ کے پُر درد الفاظ میں مسلمانوں سے فریاد کر رہی ہے، اس کو اب بھی یقین ہے کہ جن مخلص ہاتھوں سے کعبہ کی تعمیر کی تھی وہی دنیا کی تعمیرِ نو کا فرض انجام دے سکتے ہیں ؎

ناموسِ ازل را تو امینی تو امینی — دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی!
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی — صہبائے یقیں درکش و از دیرِ گماں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

فریاد ز افرنگ و دل آویزیٔ افرنگ — فریاد ز شیرینیٔ و پرویزیٔ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ — معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز!
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

بشکریہ: الحق اکوڑہ خٹک۔ جنوری سنہ ۱۹۹۱ء

اے مسلم تیری زندگی

کامل انسان کے اوصاف درج ذیل ھیں

(۱) مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں اسے نفع نظر آتا ہے۔
(۲) ضرورت مندوں کی حاجات پوری کر کے اسے راحت ہوتی ہے۔
(۳) لوگوں کی رقم دبا کر نہیں' اُسے ادا کر کے خوشی ہوتی ہے۔
(۴) والدین کی خدمت کو دنیا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ سمجھتا ہے۔
(۵) لوگوں کے ساتھ بھلائی کر کے اسے اطمینان ہوتا ہے۔
(۶) عزت، ذلت، راحت، مصیبت کو منجانب اللہ جانتا ہے اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتا ہے۔
(۷) رزق حرام سے پرہیز کرتا ہے، لوگوں کی دل آزاری سے اجتناب کرتا ہے۔
(۸) ملنے، جلنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر عمل کرتا ہے۔
(۹) اقرباء اور دوستوں کی پریشانی میں ان کا خیال رکھتا ہے۔
(۱۰) اللہ کا خوف اس پر ہر لمحہ طاری رہتا ہے۔
(۱۱) جو مانگتا ہے اللہ ہی سے مانگتا ہے۔
(۱۲) دنیا کو، آخری۔ عارضی اور آخرت کی تیاری کی جگہ سمجھتا ہے۔
(۱۳) مسجد میں اس کا دل لگتا ہے اور نماز میں لذت ملتی ہے۔
(۱۴) سچ بولتا ہے۔ جھوٹ اسے عجیب، بے کار اور ناکامی کی بات معلوم دیتا ہے۔
(۱۵) ہر عمل میں اپنی نیت کا محاسبہ کرتا ہے۔
(۱۶) بھلائی کی دعوت دیتا ہے اور برائی کے نقصان بتاتا ہے۔
(۱۷) اللہ سے اپنے نفس کی پاکی اور پرہیزگاری کی دعاء مانگتا ہے۔
(۱۸) اللہ کے غضب سے اس کی پناہ مانگتا ہے۔ جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔
(۱۹) اپنے کو عاجز جانتا ہے اور معاملات میں انکساری سے کام لیتا ہے۔
(۲۰) مصیبت اور پریشانی میں اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہے۔ غیر اللہ کو اللہ ہی کا محتاج سمجھتا ہے۔
(۲۱) نعمت اور لعنت کا فرق اس پر بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔
(۲۲) بازاروں میں بے ضرورت جانے سے گھبراتا ہے۔ کھیل تماشوں سے اجتناب کرتا ہے۔
(۲۳) قرض لینے سے اجتناب کرتا ہے۔ لیا ہوا ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔
(۲۴) حقوق ادا کرتا ہے مانگتا نہیں۔
(۲۵) جس انسان میں مذکورہ بالا اوصاف پیدا ہو جائیں تو وہ باوقار اور کامیاب ہو جاتا ہے۔

صدیقی ٹرسٹ

میرے مرنے کے بعد میرے بچوں کا کیا ہوگا؟
لوگ اس سوال پر غور کرتے ہیں اور جو کچھ بن پڑتا ہے انتظام کرتے ہیں
ایسے لوگ دُور اندیش اور عقل مند سمجھے جاتے ہیں مگر
بچوں کے مرنے کے بعد بچوں کا کیا ہوگا؟
اس سوال پر کم ہی لوگ غور کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل سوال
یہی ہے۔ ہمارے بچے "نیک و صالح" نہ بن سکے تو چاہے
دُنیا میں وہ کچھ ہی کیوں نہ بن جائیں معاملہ نفع کا نہیں نقصان ہی کا رہا
دُور اندیش اور عقلمند لوگ دُنیا سے کہیں زیادہ آخرت کے بارے میں سوچتے ہیں
آپ بھی اگر عقلمند اور دُور اندیش ہیں تو اپنے بچوں کو نیک و صالح بنانے کی فکر کیجیے۔
صدیقی ٹرسٹ
صدیقی ہاؤس، المنظر اپارٹمنٹس
۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی ۷۴۸۰۰